ہیر رانجھا

مروجہ داستان بارے حقائق پر مبنی دلچسپ تحریر

ترتیب وتدوین:

یاسین جاوید



محبت ایک قلبی کیفیت ہے جس میں دل کسی کی چاہت میں اس کے قرب کے لیے جوش مارے اور اس جوش سے محبّ کا دل اس قدر لبریز ہو جائے کہ غیر کا خیال تک بھی نہ آئے ۔ اس انسان کی سیرت و کردار کا درخت اس کی چاہت کا آئینہ دار ہو۔ حرکات و سکنات اور گفتار و کردار میں محبوب کے ساتھ اتنی وابستگی و ہم آہنگی ہو کہ ہر وقت اس کی چاہت کی مہک آئے۔ محبوب کی چاہت کی یہ مہک جب زندگی کا لازمہ بن جائے تو اسے محبت کہتے ہیں۔

انسان نفسیاتی طور پر اپنے ہم نفس سے ایک خاص انس و محبت رکھتا ہے اور اس کے لیے اپنے اندر ایک گہری کشش پاتا ہے اس کی موجودگی میں فرحت بخش سکون پاتا ہے اور محبوب سے دوری اسے بے قرار کرتی ہے اور دل اس کا قرب پانے کے لیے جوش پاتا ہے اور ہمیشہ اس کا ذکر کر کے خاص انس حاصل کرتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی کا قول ہے ''خواہ تجھے محبوب سے کچھ ملے یا نہ ملے پھر بھی تمہارا میلان اسی کی طرف رہے اور یہ پختہ محبت کی علامت ہے''

محبت کی اقسام

۱۔ محبتِ آثاری

۲۔ محبتِ افعالی

۳۔ محبتِ صفاتی

۴۔ محبتِ ذاتی

۱۔ محبتِ آثاری

ایسی محبت جو ذات سے نہیں بلکہ آثار سے وجود میں آتی ہے اور اس وقت تک رہتی ہے جب تک وہ اثر باقی رہے۔ قدیم عربی ادب میں شعراء جاہلیت کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو جا بجا ایسے اشعار ملیں گے جن میں تلواروں اور گھوڑوں کے ذکر کے ساتھ ٹیلوں، چشموں اور پرانے کھنڈرات کی بھی تعریف ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کبھی کبھار پڑاؤ کے درمیان ان کی محبوبہ کا قیام رہا تھا اور جب کبھی وہاں سے گزر رہوا تو وہ آثار دیکھ کر طبیعت بے چین ہو جاتی اور وہیں بیٹھ کر محبوبہ کے نام لکھ دیتے۔

۲۔ محبتِ افعالی

ایسی محبت جو ذات سے نہیں بلکہ محبوب کے کسی فعل سے منسوب ہوتی ہے۔ محبوب کا کوئی کام اور کوئی ادا ایسے بھا جاتی ہے کہ بے اختیار محبت ہونے لگتی ہے۔ یہ محبت بھی حالات کے رحم و کرم پر ہوتی ہے، حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ محبت کے قرینے بھی بدلنے لگتے ہیں۔

۳۔ محبتِ صفاتی

محبت کی وہ قسم جو محبوب کی کسی صفت کی دل کشی سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی محبوب کی سیاہ دراز زلفوں کا گرویدہ ہے تو کوئی اس کے قد و قامت اور رخسار و عارض کا شیدا۔ کسی کو محبوب کی شیریں سخنی پسند آ گئی تو کوئی چشم و ابرو پر مر مٹا۔ یہ ساری محبتیں صفات کے دم قدم سے جلوہ دکھاتی ہیں اگر محبوب ان صفات سے عاری ہو جائے تو محبت بھی قصہ ماضی بن جاتی ہے۔

۴۔ محبتِ ذاتی

ایسی محبت جس میں کوئی سبب نہیں ہوتا۔ محبت کی متذکرہ قسموں کے برعکس یہ محبت کسی صفت، رنگ وروپ، شکل وصورت، قد وقامت اور حسن و جمال کی محتاج نہیں بلکہ اس کی تو علامت ہی یہی ہے کہ محبّ کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کی محبوب سے محبت کس وجہ سے ہے، محبّ سارا دن سوچ میں غرق رہے اور شام تک کوئی فیصلہ نہ کر پائے کہ یہ محبت کیسے اور کیوں ہوگئی؟ آثار، افعال اور صفات کی بنیاد پر نہ ہونے کی وجہ سے یہ محبت دوسری اقسام کی محبت سے ذرا طویل ہوتی ہے اور تب تک دائمی رہتی ہے جب تک محبوب کی ذات قائم رہتی ہے۔ چونکہ مخلوق فانی ہے لہذا محبت بھی فانی ہوگی۔

مشہور رومانوی داستانوں میں ایک داستانِ عشق ہیر رانجھا کی بھی ہے اور یہ دونام پنجابی ادب میں محبت کی علامت اور ادب کا سرمایہ بن چکے ہیں۔ ہیر رانجھا کی مروجہ کہانی جسے شعراء کرام نے بیان کیا اور اسے عشقِ مجازی کا رنگ دے دیا اور اس رنگ میں زیادہ رنگینی سید وارث شاہ کے شعری مجموعہ ''ہیر وارث شاہ'' نے پیدا کی۔ اکثر شعراء نے اپنے ہی عہد کے حالات ہیر کے عہد پر چسپاں کر دیئے۔ سوہنی مہینوال، مرزا صاحباں، لیلیٰ مجنوں، سسی پنوں، شیریں فرہاد وغیرہ تو عشقیہ داستانیں ہیں لیکن ہیر رانجھا کی داستان ان سے قطعی مختلف ہے لیکن شعراء کرام نے اسے زبردستی عشق مجازی کی عشقیہ کہانیوں میں گھسیٹ لیا ہے۔

شاعر جذبات کا نمائندہ ہوتا ہے اور وہ اپنی ہی ایک جذباتی دنیا میں (imagination) میں رہتا ہے۔ شعراء نے تو نبی اللہ حضرت یوسف پیغمبر (علیہ السلام) کی بھی عصمت کا خیال نہ کیا اور ''یوسف زلیخا'' کے عنوان سے ایسی داستان تحریر کر دی کہ یہ بھی مرزا صاحباں، سوہنی مہینوال اور لیلیٰ مجنوں جیسی داستان بن کر رہ گئی۔

اگر ہیر رانجھا عشقیہ کردار ہوتے تو کم از کم حضرت شاہ حسین، بابا بلھے شاہ، خواجہ فرید جیسے صوفی شعراء ان کا تذکرہ عارفوں اور ولیوں کی طرح نہ کرتے۔ ان صوفی شعراء کرام نے مجاز کے لباس میں عشق حقیقی کی منازل سے آگاہ کیا ہے۔ وارث شاہ صاحب اپنی ہیر کے آخر میں اعتراف کرتے ہیں کہ ہیر رانجھا کی داستان حقیقی نہیں بلکہ فرضی کردار ہیں اور بطورِ

استعارہ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

ہیر رانجھا کی مروجہ داستان کے مطابق ہیر جھنگ کے نواب سیال خاندان کے ایک شخص چوچک سیال کی بیٹی تھی جو حسن و جمال میں لاثانی تھی اور اس کے جمال کا چار وانگ عالم چرچا تھا اور رانجھا تخت ہزارہ ضلع سرگودھا کا رہائشی تھا اور مردانہ حسن کا مالک تھا اور ہیر سے پہلی ملاقات میں ہی دیوانہ ہوگیا اور اپنا آبائی شہر چھوڑ کر دیوانوں کی طرح ہیر کے شہر میں رہنے لگا۔

یہ داستان مختلف شعراء کے تخیلات کی مختلف انداز میں تخلیق ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بلاشبہ یہ دونوں کردار (ہیر رانجھا) حقیقی زندگی میں موجود تھے اور رانجھا کو ہیر سے محبت بھی تھی لیکن اس محبت کو وہ انداز نہیں دیا جاسکتا جو ادباء نے پیش کیا اور دونوں کا رشتہ مشکوک ہوگیا۔ دونوں کے رشتے میں محبت موجود تھی لیکن وہ دراصل ایک ادب اور احترام تھا جو دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے تھا۔ مثال کے طور پر اگر ایک بچہ نرسری کلاس میں ایک ٹیچر کے زیر سایہ تعلیمی منازل طے کرتا ہے اور اچھی کارکردگی کی وجہ سے ٹیچر کا فیورٹ (favourite) طالب علم بن جاتا ہے اور کلاس کے معاملات میں ٹیچر کے ساتھ تعاون کرتا ہے اور کلاس کا CR بن جاتا ہے۔ اگر اتفاق سے ٹیچر اور سٹوڈنٹ کا رہائشی محلّہ بھی ایک ہی ہو تو وہ اپنی ٹیچر کے زیادہ قریب ہوسکتا ہے مثلاً طالب علم کی پڑھائی کے لیے ٹیچر کی مدد لینا اور ٹیچر کی گھریلو/نجی معاملات کے لیے بحیثیت بھائی مدد لینا۔ اب اس سارے دور میں جو چیز دونوں میں پائی جاتی ہے وہ ادب واحترام اور شفقت ہے اور اس احترام کے رشتے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا نہایت گھٹیا سوچ کا مظاہر ہوگا۔

ہیر رانجھا کا رشتہ بھی روایتی عشق معشوقی والے پیار ومحبت سے ہٹ کر تھا لیکن

ادباء نے بغیر کسی تحقیق کے ہی محبت کے بارے میں سنا اور اپنی تخیلاتی داستان مرتب کر دی اور دیکھا دیکھی دوسرے شعراء اور ادباء بھی تقلید کرنے لگے۔ تمام کے تمام مصنف ہیر اور رانجھا کے اصل نام سے بھی واقف نہیں اور نہ ہی کسی نے جاننے کی کوشش کی بلکہ عرفیت کا سہارا لیتے رہے۔

سید وارث شاہ سمیت دوسرے تمام شعراء نے ہیر رانجھا کے نام پر شاعری کر کے ان دو شخصیات کے ساتھ بہت زیادتی کی اور ان کے کردار یکسر بدل دیئے۔ اگر شعراء کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو شعراء کے انداز بیان سے یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے کہ ہیر رانجھا کی عاشق ہے اور اس پر دل و جان سے فدا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا بالکل نہیں ہے۔

آئندہ صفحات میں درج معلومات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مراد بخش (رانجھا) عزت بی بی (ہیر) کا خدمت گار تھا۔ ایک عارفہ ہونے کے ناطے اس کے دل میں عزت بی بی کے لیے ادب، احترام اور محبت کے جذبات تھے اور اسی تعلق کی بناء پر عزت بی بی کے دل میں بھی مراد بخش کے لیے اچھے جذبات تھے کیونکہ مراد بخش کی کوئی بھی بات ان سے پوشیدہ نہ تھی اور عرف عام میں عاشق تو رانجھا تھا ہیر کا نہ کہ ہیر رانجھا کی۔

ہیر

لفظ ہیرا کے تین معنی ہیں: عابدہ / زاہدہ، عارفہ، ہیرے کا گول ٹکڑا۔ اصل نام عزت بی بی تھا یہ نام حضرت مخدوم سید کبیر بخاری نے تجویز کیا۔ جو عارف باللہ تھے۔ عزت بی بی اپنے عہد کی عارفہ تھیں۔ باپ کا نام چوچک سیال تھا (جسے جھنگ کا نواب یا حکمران

کہا گیا اور ہیر کے نوابانہ ٹھاٹھ کا بھی ذکر کیا گیا جو تاریخی اعتبار سے غلط ہے) چوچک سیال ایک معمولی زمیندار تھا جسے نواب بہلول نے کچھ اراضی عطا کی تھی ۔نواب بہلول عزت بی بی کا عقیدت مند تھا اور اسی عقیدت کی بناء پر چوچک سیال کو جاگیر عطا کی ۔اولادنرینہ نہ ہونے کی وجہ سے چوچک نے اپنے بھتیجے مُل خان کو وارث بنایا جو بعد میں حکمران بنا اور نواب بہلول نے اسے خانی کا خطاب عطا کیا۔

جائے پیدائش کوٹلی باقر ہے جو جہلم کے دوسرے کنارے پر واقع ہے اور جھنگ شہر سے کم از کم چالیس کوس دور ہے درمیان میں دو دریا جہلم اور چناب ہیں۔

مخدوم سید کبیر بخاری جو سیالوں کے مرشد تھے ۔828ھ میں چوچک سیال کے ہاں پہنچے تو چوچک نے مرشد سے اولاد کے لیے دعا کی فرمائش کی ۔مخدوم سید کبیر نے دعا فرمائی اور کہا کہ اولادنرینہ تمہارے نصیب میں نہیں ہے البتہ ایک لڑکی ایسی ہوگی جس کی نیکی کی وجہ سے تمہارے خاندان کو شہرت ملے گی ۔عزت بی بی نے پاکیزہ ماحول میں پرورش پائی ۔مخدوم سید کبیر کے خلیفہ خواجہ عبداللہ سے قرآن پاک حفظ کیا اور روحانی منازل طے کیں۔

مفروضوں پر کھڑی داستانِ ہیر رانجھا کی عمارت کو یہ فروغ کیونکر ملا اس سلسلہ میں نواب بہلول کی طرف سے مُل خان کو لکھا گیا خط تاریخی سچائی کی حیثیت کی رکھتا ہے جو اس نے نول قوم کے وفد کی گفتگو سننے کے بعد مُل خان کو لکھا تھا۔

مُل خان عزت بی بی کے والد چوچک کا حقیقی بھتیجا اور جاگیر کا وارث تھا کیونکہ چوچک اولادنرینہ سے محروم تھا۔ سیالوں میں یہ پہلا شخص تھا جو حکمران بنا اور نواب بہلول نے اسے خانی کا خطاب دیا۔

نول حکومت سے محروم ہو کر کھرلوں کے ساتھ مل کر مُل خان کے خلاف سازشیں کرنے لگے اور اپنے سرکردہ افراد پر مشتمل ایک وفد مرتب کیا جو حاکمِ لاہور نواب بہلول سے ملا۔ اپنی صفائی اور بے گناہی پیش کرنے کے علاوہ مُل خان کی خاندانی شہرت اور شرافت کو داغدار بنا کر پیش کیا اور کہا کہ حاکمِ لاہور نے حکومت کے اختیار ایسے خاندان کے افراد کو دیئے ہوئے ہیں جن کی اخلاقی شہرت اچھی نہیں۔ اس موقع پر پہلی بار چوچک کی بیٹی عزت بی بی کے بارے ایک من گھڑت کہانی سنائی کہ وہ ولیہ نہیں، اس کا چال چلن ٹھیک نہیں اور اپنے ملازم سے بگڑی ہوئی ہے۔ نواب بہلول نے اپنے قاصد کے ذریعے مُل خان کو وفد کی گفتگو سے آگاہ کیا جس میں نواب بہلول نے لکھا کہ نولوں کے وفد نے میرے پاس آکر عزت بی بی کے بارے غلط باتیں کی ہیں۔ میں نے ان کو دربار سے نکال دیا ہے کیونکہ انہوں نے ایک ولیہ اور عارفہ پر تہمت لگائی ہے جو میری نگاہ میں جرم ہے ۔ میں جھنگ کی حکومت میں نولوں کا نام بھی برداشت نہیں کرتا۔ مزید لکھا کہ رعایا سے اچھا سلوک کرو تا کہ وہ تمہاری وفادار بن جائے۔

لاہور سے ناکامی پر نولوں نے عزت بی بی کے خلاف گھڑی کہانی کو پھیلانا شروع کر دیا جو پھیلتے پھیلتے آج ایک مستقل داستان بن چکی ہے جس پر شعراء نے بلا تحقیق خیالات کی بلند و بالا عمارتیں تعمیر کر لیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ رانجھا کون تھا اور عزت بی بی کی کردار کشی کرنے والوں نے اسی کا نام کیوں لیا؟ ملازمین تو اور بھی بہت سے ہوں گے لیکن قصہ گھڑنے والوں نے اسی کو منسوب کیوں کیا؟

رانجھا

اصل نام مراد بخش ہے۔ رانجھا ایک ذات یا گوت ہے کسی شخص کا نام نہیں اوراپنی ذات کی وجہ سے رانجھا مشہور ہوگیا۔ ضلع سرگودھا کے قصبہ تحت ہزارہ کا رہائشی تھا جو اپنے مرشد کی ہدایت پر جھنگ آیا۔ شاہ پور کی اقوام نون، ٹوانے، رانجھے وغیرہ مخدوم سید کبیر کے مرید تھے۔ مراد بخش نے مرشد سے دریافت کیا کہ مجھے کسی ایسے آدمی کا نام بتایئے جس کی خدمت میں رہ کر کچھ حاصل کرسکوں، مرشد نے ہدایت کی کہ جھنگ کی عزت بی بی کے پاس چلے جاؤ وہ عارفہ ہے۔

حضرت شاہ جمال چنیوٹ کے ولی کامل گزرے ہیں ان کے بارے میں مشہور ہے کہ جب ان کو معلوم ہوا کہ مراد بخش (رانجھا) اپنے مرشد کے حکم پر ہیر صاحبہ کی خدمت میں جانے کے لیے سفر پر روانہ ہوا ہے تو انہوں نے مراد بخش کا چناب کے کنارے استقبال کیا۔ مراد بخش کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ ان سے ونجھلی کی فرمائش کی۔ جب مراد بخش نے ونجھلی کی تانیں اڑائیں حضرت شاہ جمال بے تاب ہوگئے اور فرمایا بس کر جٹا، مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے کہ پہاڑیاں پگھل کر پانی میں بہہ رہی ہیں۔ مجھ میں ونجھلی سننے کی تاب نہیں رہی، جٹا بس کر ابھی میں اس منزل پر نہیں پہنچا۔ ونجھلی بند ہوگئی۔ مراد بخش کو دوسرے دن جھنگ کے لیے انہوں نے رخصت کیا۔

مشہور مقولہ ہے کہ اس قدر جھوٹ بولو کہ سچ نظر آئے۔ ہیر رانجھا کے بارے میں بھی لوگوں نے یہی کچھ کیا، اردو، پنجابی، فارسی اور ہندی شعراء نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا اور اپنے اپنے انداز میں واقعاتی کڑیاں ملائیں، ایک مصنف کا دوسرے مصنف کے ساتھ اتفاق نہیں ہے۔ بعض شعراء اور واقع نویسوں نے تو یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ انہوں

نے ہیر رانجھا کو خود دیکھا اور واقعات ان کے سامنے ہوئے۔

ہندی شاعر دامور دکا دعویٰ ہے کہ ہیر مغل تاجدار اکبر کے عہد میں ہوئی اور اس کی آنکھوں کے سامنے واقعات ہوئے جبکہ تاریخی اعتبار سے یہ بات غلط ہے کہ شاعر دامورد کے اس دعویٰ کی تردید کو پنجابی زبان کے مورخین نے رد کر دیا کہ دامورد ہیر کے عہد کا شاعر نہیں بلکہ اس نے یہ قصہ شاہ جہاں اور اورنگزیب کے عہد میں لکھا تھا۔

شاہ جہاں کے عہد میں ایک فارسی شاعر سعید سعیدی گزرا ہے اس کا کہنا ہے کہ قصہ ہیر رانجھا سے سے پہلے اسی نے نظم کیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ فارسی کا یہ قدیم نسخہ ہے۔

عہد شاہ جہاں کے وزیر اعظم اسلام خان کو ہٹا کر جھنگ کے نواب سعد اللہ خان کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا تھا۔ ادبی نام ہمت خان تھا، اس نے ہیر کو پہلی بار ہندی میں نظم کیا اور پھر قصہ کو اپنے درباری شاعر محمد عاشق لائق کے حوالے کیا جس نے اسے فارسی نظم میں ڈھالا۔ لائق کا بیان ہے کہ اس سے قبل یہ واقعہ مشہور نہ تھا۔

ہیر رانجھا کا زمانہ مغل دورِ حکومت سے بھی پہلے کا ہے اور ان کا تذکرہ عارفان باللہ کی مجالس میں ہوتا رہتا تھا۔ ''ماخوذ مقامات داؤدی، حصہ دوم، ص:۲۱۱'' میں درج ہے کہ حضرت داؤد شاہ کرمانی کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے میاں رانجھا اور مائی ہیر کا تذکرہ کیا۔ حضرت نے اسے فرمایا تم نے نیک لوگوں کا تذکرہ کیا ہے خدا تمہاری پانچ پشتوں تک رحمت فرمائے گا۔

حضرت مخدوم دداؤد شاہ کرمانی اپنے عہد کے ولی کامل تھے اور مغل بادشاہ ہمایوں کے دور میں وفات پا گئے۔

30-08-2019

